an immense work in many volumes and would be really equal to writing a whole history of philosophy and theology and mysticism in Islam."(۸)

پنجابی صوفیانہ شاعری کی عظیم ہستی حضرت سلطان باہوؒ سترہویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کی پیدائش ۱۶۲۹ء میں بازید محمد کے گھر شور کوٹ ضلع جھنگ میں ہوئی جبکہ وفات ۱۶۹۱ء میں ہوئی۔(۹) سلطان باہو مادر زاد ولی اللہ تھے جنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے حاصل کی۔باطنی و روحانی تعلیم کے لیے آپ حضرت حبیب اللہ قادری کے پاس گئے اور انہیں کے کہنے پر پیر عبدالرحمٰن دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔(۱۰) حضرت سلطان باہوؒ فارسی زبان میں عالم و فاضل تھے چنانچہ انہوں نے ۱۴۰ کتابیں فارسی میں لکھیں جبکہ پنجابی زبان میں سی حرفی (ابیات) حضرت سلطان باہوؒ کے نام سے منسوب ہیں۔آپ نے سی حرفی کے ذریعے تصوف اور شریعت کے علاوہ توحید، عرفان، رسالت، فقر، عاجزی و انکساری، علم، عمل، وجدان، صدق، یقین اور کلمے کی اہمیت کو بیان کیا۔حضرت سلطان باہوؒ کا انداز بیان براہ راست اور عام فہم ہے یہاں تک کہ تصوف کی مشکل اصطلاحات کو بھی نہایت روانی اور سلیس انداز میں بیان کرجاتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عرفان الحق لکھتے ہیں:

سلطان باہوؒ اک شاعر ہوون دے نال نال اک صاحبِ شرح صوفی وی سن۔اوہناں دی حیاتی دا ایہہ پکھ اوہناں دی پنجابی شاعری وچ بڑا اگھڑواں تے نکھڑواں اے۔سلطان باہوؒ دے شریعت، طریقت تے حقیقت بارے وچار بڑے واضح نیں۔ایہی وجہ اے نظریہ عشق ہووے بھاویں مرشد دا تصور، فقر بارے وچار ہوون یاں علم بارے گل بات اوہناں دا انداز بڑا دوٹوک اے۔"(۱۱)

مولانا رومؒ اور حضرت سلطان باہوؒ میں چار صدیوں کا فاصلہ ہے لیکن ان دونوں صوفی شعراء کی شاعری میں فکری حوالے سے واضح مماثلت دیکھی جاسکتی ہے جیسے تجاذب کائنات، علم و عقل، نظریہ عشق، فنافی الشیخ اور حقیقت کی ماہیت وغیرہ

کائنات مظہر نور الٰہیہ ہے جس کی بنیاد عشق پر رکھی گئی ہے۔اسی عشق کی بنا پر کائنات میں موجود تمام اجسام اور ذرات ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اسی تجاذب اور کشش کی بنا پر کائنات کا نظام قائم ہے۔اللہ خود عاشق اور معشوق محمد ﷺ ہیں جن کے لیے کائنات کا ظہور ہوا پس اللہ نے "کُن" کہا اور "فیکون" یعنی (پس وہ ہوگیا)۔

مولانا روم لکھتے ہیں:

با محمدؐ بود عشقِ پاک جفت بہر عشق او خدا لولاک گفت (۱۲)

اللہ تعالیٰ نے ہر صورت کو اپنی صورت پر تخلیق کیا ہے۔وہ خود جمیل ہے اور جمال اس کی صفت ہے۔یہی وجہ ہے کہ کائنات میں اس کے حسن کے جلوے ہر جگہ بکھرے دکھائی دیتے ہیں۔اللہ نے ایک لمحے میں زمین و آسمان اور اس میں موجود مخلوقات بنائیں۔

مولانا روم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

حق کہ قادِر بُود بر خلق فلک در یکے لحظہ بکُن بے ہیچ شک(۱۳)

حقیقت میں اللہ نور السمٰوات والارض یعنی کائنات میں ہر جگہ نورِ الٰہی کے کرشمے دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ کی تخلیقات میں انسان دانائی اور حکمت کا پیکر ہے۔ روح انسانی دراصل اللہ کے نور سے جدا ہوئی ہے اور جس نے اللہ کی طرف واپس لوٹ کر جانا ہے۔ کائنات کے ظہور سے پہلے اللہ کا نور اپنی طاقت و رعنائی سمیت موجود تھا۔

مولانا روم لکھتے ہیں:

خلق ما بر صورتِ خود کرد حق وصفِ ما از وصفِ او گیرد سبق(۱۴)

اسی طرح مولانا روم ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

جملہ اجزا در تحرک در سکون ناطقان کہ انّا الیہ راجعون(۱۵)

ڈاکٹر عاصمہ قادری لکھتی ہیں:

''جدوں کوئی وی شکل، روپ، آکار موجود نہیں سی تاں بس ہکا نور سی۔ اوہ نور اپنیاں تمام شکلاں، رویاں تے طاقتاں سمیت موجود سی۔ میں تے توں، حسن تے عشق دو وکھ روپ نہیں سن ہکو نور سی۔ ظاہر ہوون تے سراہے جاون دی لوڑ نے اینکاں روپ بنالئے۔''(۱۶)

اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو پاکیزہ پیدا کیا لیکن نفسانی خواہشات نے انہیں پلید اور آلودہ کر دیا۔ دنیا کو آزمائش گاہ بنایا گیا جس کی لذتیں بے شمار ہیں اور انہیں لذتوں کا شکار ہو کر انسان اپنے اصل مقصد سے غافل ہو چکا ہے:

حضرت سلطان باہوؒ نے کن فیکون اور انسان کی دنیاوی و نفسانی خواہشوں کو اس طرح بیان کیا:

کُن فیکون جدوں فرمایا اساں بھی کولوں ہاسے ہو کِے ذات صفات ربیدی آہی کِے جگ ڈھنڈیاسے ہو

کِے لامکان مکان اساڈا کِے آن بتاں وچ پھاسے ہو

نفس پلیت پلیتی کیتی باہو کوئی اصل پلیت تاں ناسے ہو(۱۷)

کائنات میں سیاروں کی گردش، پرندوں کی چہچہاہٹ، بارش کی کھنکناہٹ، لہروں کا شور، آفتاب کی روشنی، چاند کی چاندنی، صحرا، پہاڑ، انسان و حیوان، اللہ کے نور اور ''کن'' کی گواہی دیتے ہیں۔

علم کے معنی جاننے اور تلاش و جستجو کے ہیں۔ روحانی علم کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نوازشوں اور اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ ایسا علم تزکیہ نفس سے حاصل ہوتا ہے جو کہ راہ سلوک پر چلنا سکھاتا ہے اور عرفان کے مرتبے تک لے جاتا ہے۔ مولانا روم کے نزدیک ایسا علم پائیدار نہیں جو دنیاوی علوم سے حاصل کیا جائے۔ جیسے:

علم چون بر دل زند یارے شود
علم چون برتن زند بارے شود
گفت ایزد یحمل اسفارہ
بار باشد علم کان نبود ز ھو(۱۸)

حضرت سلطان باھوؒ کے نزدیک علم وہ ہے جو عاجز بنائے نہ کہ تکبر وگمان پیدا کرے۔علم کے بغیر فقر کفر ہے جوکہ سالہا سال کی ریاضت وعبادت کے بعد بھی اللہ کی محبت سے آشکار نہیں کرسکتا یعنی علم کے ذریعے ہی انسان ذات الٰہی تک رسائی حاصل کرسکتا ہے جیسے:

علموں باجھوں فقر کماوے کافر مرے دیوانہ ہو
سے ورہیاں دی کرے عبادت رہے اللہ کنوں بیگانہ ہو
غفلت کنوں نہ کھلّن پردے دل جاہل بتخانہ ہو
میں قربان تنہاں توں باہو جنہاں ملیا یار یگانہ ہو(۱۹)

عقل کی تکمیل علم کے بنا ممکن نہیں ہے اور یہ صفت حیوانوں کو عطا نہیں کی گئی۔انسان کو عقل کے بل بوتے پر اشرف المخلوقات کا درجہ دیا گیا۔رومی نے مثنوی میں عقل ناقص اور عقل کامل کا ذکر کیا ہے۔عقل ناقص ناپائیدار جبکہ عقل کامل دائمی ہے جس کی زیادہ فضیلت ہے:

مولانا روم لکھتے ہیں:

عقل جزوی را وزیرِ خود مگیر
عقلِ کل را ساز اے سلطان وزیر(۲۰)

خلیفہ عبدالحکیم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''مولانا کی تعلیم زیادہ تر ان مدارج کے متعلق ہے جو عقل جزوی سے بالا تر ہیں۔وہ بالا تر علم وعقل جسے وہ کبھی عقل نبوی ﷺ کہتے ہیں اور کبھی روحِ وحی، وہاں پہنچ کر انسان ایسی قوتوں کا مصدر بن جاتا ہے جس کا عمل محیّر العقول ہوتا ہے۔وہاں سے سرزد اعمال عام انسانوں کی سمجھ کو عاجز کردیتے ہیں۔اسی لیے انسان انہیں معجزہ کہتا ہے۔''(۲۱)

عقل ناقص انسان کو نفسانی خواہشات کا قیدی بنا دیتی ہے اور راہِ حق کا مسافر بننے سے روکتی ہے، جیسے:

عقل تُو مغلوبِ دستورِ ہوا ست

در وجودت رہزنِ راہِ خدا ست(۲۲)

حضرت سلطان باہو کے نزدیک وحدت سر سبحانہ تعالیٰ کا مقام ایسا ہے جہاں تک عقل وفکر کی رسائی ممکن نہیں۔ عقل علم وعرفان کی منزل تک تب ہی پہنچ سکتی ہے جب انسان فنافی الشیخ سے فنا فی اللہ کی منازل طے کر لے جیسے:

عقل فکر دی جا نہ کائی جتھے وحدت سر سبحانی ہو
ناں اوتھے ملاں پنڈت جوشی ناں اوتھے علم قرآنی ہو
جد احمدؐ احد وکھالی ڈتا تاں کل ہووے فانی ہو
علم تمام کیتو نے حاصل باہو کتاباں ٹھپ آسمانی ہو(۲۳)

عشق محبت، چاہت اور پیار کے جذبہ خلوص کا نام ہے۔ عشق چاہے مجازی ہو یا حقیقی اس میں دوئی کو دخل نہیں۔ عشق اپنی ذات اور محبوب تک رہے تو مجاز اور اگر اپنے عشق میں کائنات کو شریک ٹھہرایا جائے تو عشق حقیقی ہے۔ مجازی عشق اپنے محبوب کے پیار تک محدود ہے جبکہ حقیقی عشق اپنا آپ فنا کر دینا ہے۔ صوفیانہ شاعری میں الست بربکم اور قالو بلیٰ کے بعد ہجر، وصال، کرب، بے چینی اور فراق برداشت کرنے اور روح انسانی کے اپنے اصل کی طرف لوٹ جانے کی کیفیت عشق ہے جسے فارسی و پنجابی کے قصہ گو کلاسیکی شاعروں نے بیان کیا ہے۔

مرزا مقبول بیگ بدخشانی لکھتے ہیں:

صوفیہ جہاں ذات خداوندی کو روحِ مطلق سمجھتے ہیں، وہاں اسے حُسن مطلق بھی کہتے ہیں۔ حُسن مطلق ایک سرچشمہ ہے، جس سے حُسن کے سوتے پھوٹتے ہیں اور کائنات میں پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ انسانی روح اپنے اس سرچشمے کو دیکھنے اور اس میں واصل ہونے کے لیے بے تاب ہے۔ اس اضطراب اور بے چینی کو صوفیانہ اصطلاح میں عشق کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں روح انسانی عاشق اور ذات باری محبوب۔"(۲۴)

مولانا روم اور حضرت سلطان باہو عشق کو عقل پر فوقیت دیتے ہیں اور ان کے نزدیک بے نیازی، استغنا و عزت نفس فقط عشق کے ہی ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ مولانا روم سراپا عشق تھے اس لیے وہ مثنوی کے تمام اوراق میں موضوع عشق کو بیان کرتے ہیں۔ رومی عشق کو سبز باغ کہتے ہیں جو دائمی اور ہمیشہ رہنے والا ہے جیسے:

باغ سبز عشق کو بی منتہاست
جز غم و شادی درو بس میوہاست
عاشقی زین ہر دو حالت برترست
بے بہار و بے خزاں سبز و ترست(۲۵)

مولانا رومؒ نے عشق کو شریعت و معرفت کے ذریعے بیان کیا۔ ان کا انداز بیان حقیقی عشق سے لبریز ہے۔ وہ عشق کو طبیب بھی کہتے ہیں جو بیماروں کے لیے وسیلہ شفا ہے۔ جیسے:

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما(۲۶)

ڈاکٹر افضل اقبال لکھتے ہیں:

رومیؒ کے لیے عشق ایک آغاز کی حیثیت بھی رکھتا ہے اور ایک انجام کی بھی۔ اسے وہ طبیب جملہ علت ہا (بیماری ھا) کہتے ہیں۔ عشق ایک طرح کی دیوانگی ہے جسے جنم دینے اور ارتفاع بخشنے میں موسیقی ممد و معاون بنتی ہے((۲۷)

حضرت سلطان باہو کا عشق آفاقی اور ہمہ گیر ہے۔ وہ عشق کے اس مقام کو بیان کرتے ہیں جہاں جذب و سرمستی کی کیفیت جنم لیتی ہے اور انسان ہوش و حواس کھو دیتا ہے۔ جیسے:

عشق جنہاں دے ہڈیں رچیا اوہ رہندے چپ چپاتے ہو
لوں لوں دے وچ لکھ زباناں اوہ پھردے گنگے باتے ہو
اوہ کردے وضو اسم اعظم دا تے دریا وحدت وچ ناتے ہو
تدوں قبول نمازاں باہو جد یاراں یار پچھاتے ہو(۲۸)

اللہ تعالیٰ کی ذات ازل سے ہے اور ابد تک ہے جبکہ باقی سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ مولانا روم کی شاعری میں عشق فنا فی الشیخ سے فنا فی اللہ کی منزل کا راہی ہے جو مجاز سے حقیقت کا سفر طے کرتا ہے۔ ان کا عشق غیر مشروط اور انسانیت کے لیے کام کرتا ہے جس سے روحانی حقیقت کا پردہ چاک ہوتا ہے اور انسان کی نس نس میں نغمۂ عشق گونج اٹھتا ہے:

جیسے:

کُل شیءٍ* ھالک جز وجہِ او
چوں نہ در وجہِ او ہستی مجو
ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا
کل شیء ھالک نبود جزا

زانکہ در اِلاست اُو از لا گذشت
ہر کہ در اِلاّست اُو فانی نگشت(۲۹)

مولانا روم اور حضرت سلطان باہو کے نزدیک عشق کا عقیدہ دیگر تمام مذاہب سے مختلف ہے۔ایسے عشق کے بغیر وہ انسان کو زندہ نہیں بلکہ مردہ تصور کرتے ہیں جو محبوب کے بغیر ہو۔وہ اس عشق کے ہی ذریعے زندگی گزارنے پر پختہ عقیدہ رکھتے ہیں۔

واصف علی واصف لکھتے ہیں:

''محبوب زندگی کے صحرا میں نخلستانوں کی نوید ہے۔محبوب،محب کو زندگی کے میلے میں اکیلا کر دیتا ہے۔محبوب ہی باعث سِفر ہے،وہی ہم سفر ہے،وہی رہنمائے سفر ہے اور پھر وہی محبوب تو حاصل سفر ہے۔''(۳۰)

حضرت سلطان باہوؒ عشق حقیقی کے طالب بھی ہیں اور اسی عشق کے رنگ میں رنگنے کی نصیحت بھی کرتے ہیں۔وہ عشق حقیقی کے سالک کو باطنی خواہشوں سے بچتے ہوئے ذکر وفکر اور اسرار و رموز سے بھی واقف کرواتے ہیں۔جیسے:

جنہاں عشق حقیقی پایا موہوں نہ کجھ اَلاوَن ہو
ذکر فکر وچ رہن ہمیشاں دم نوں قید لگاوَن ہو
نفسی ، قلبی ، روحی ، سرّی خفیّ اخفی ذکر کماون ہو
میں قربان تنہاں توں باہو جیہڑے اکس نگاہ جواون ہو(۳۱)

پروفیسر سمیع اللہ قریشی،سلطان باہوؒ کے تصورِ عشق کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''باہو عشق نوں اوہ قوت جاندے نیں،جیہدے واسطے نال عاشق نوں اخیر حسن ازل دا نظارہ لینا آسان ہو جاندا اے تے عشق دی قوت ای اوہ قوت اے جیہدے نال حقیقت مطلقہ دی نہ صرف بجھارت بجھنی سوکھی ہو جاندی اے،سگوں اوہدے تائیں رسائی تے اوہدا حصول وی ممکن ہو جاندے نیں۔''(۳۲)

سلوک کی منازل میں پہلی منزل فنا فی الشیخ ہے جو روحانی استاد و رہبر بھی ہے اور فنا فی اللہ کی منزل تک پہنچانے کا وسیلہ بھی۔اس حوالے سے فنا فی الشیخ سلوک کی منازل میں اہم ہے جس تک پہنچے بنا سلوک کی باقی منازل طے نہیں کی جا سکتیں۔

ڈاکٹر ظہیر احمد شفیق لکھتے ہیں:

''دراصل فنا فی المرشد دی منزل ای اوہ مرکز اے جتھوں سالک عشق مجازی دے نال نال عشق حقیقی دا ڈھنگ تے سلیقہ وی سکھدا اے۔اک پاسے مرشد دی ذات مخلوق دی نمائندگی کر دیاں ہویاں عشق مجازی دا

سمبل بن جاندی اے تے دوجے پاسے فنافی اللہ دی منزل نوں جان والے پندھ دی پہلی پوڑی بن کے عشق حقیقی نال تانے بانے جوڑ دی اے۔'' (۳۳)

مولانا رومؒ اور حضرت سلطان باہوؒ کی شاعری میں فنافی الشیخ کا تصور بدرجہ اتم موجود ہے۔ مولانا رومؒ نے اپنی ذات کو اپنے مرشد کی ذات میں اس حد تک فنا کر دیا ہے کہ اپنی غزلیات کا دیوان شمس تبریز کے نام سے منسوب کر دیا بالکل اسی طرح جیسے امیر خسرو نے خواجہ نظام الدین اولیاء کے لیے اپنا تمام کلام لکھا۔

مولانا رومؒ مرشد کی رشد و ہدایت کے بغیر عشق کو نامکمل سمجھتے ہیں۔ جیسے:

ہر کہ او بی مرشدے در راہ شد
اُو ز غولان گمراہ و در چاہ شد (۳۴)

مولانا روم مثنوی میں شمس تبریزی کا نام احترام و عقیدت سے لیتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے مرشد کے توسط سے ہی شریعت و طریقت اور اسرار و رموز تک رسائی حاصل کی۔

اپنے مرشد کی تعریف کرتے ہوئے مولانا رومؒ کہتے ہیں:

شمسؒ تبریزی کہ نورِ مطلق ست
آفتاب ست و ز انوارِ حق ست
چوں حدیث روئے شمس الدین رسید
شمسؒ چارم آسماں سر در کشید (۳۵)

حضرت سلطان باہو کے ابیات میں مرشد کی اہمیت اس طرح واضح کی گئی ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی پہچان ممکن نہیں۔ مرشد نفی ''لا'' اور اثبات ''الا اللہ'' کے ذریعے وحدانیت کا درس دیتا ہے اس لیے مرشد کے دیدار کے لیے وہ بے حساب آنکھوں کے طلبگار ہیں۔ جیسے:

ایہہ تن میرا مرشد ہووے تے میں مرشد ویکھ نہ رجاں ہو
لوں لوں دے مڈھ لکھ لکھ چشماں ہک کھولاں ہک کجاں ہو
اتنیاں ڈٹھیاں صبر نہ آوے ہور کتے ول بھجاں ہو
مرشد دا دیدار ہے باہو مینوں لکھ کروڑاں حجّاں ہو (۳۶)

دیدارِ مرشد سلطان باہو کے لیے لاکھوں حج کی فضیلت رکھتا ہے۔ وہ مرشد کے دیئے ہوئے درس پر لبیک کہتے اور ہر وقت اللہ کی حمد و ثنا اور ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسے:

جو دم غافل سو دم کافر اسانوں مرشد ایہہ پڑھایا ہو
سنیا سخن گیاں کھل اکھیں اساں چت مولا ول لایا ہو
کیتی جان حوالے رب دے اساں ایسا عشق کمایا ہو
مرن توں اگے مرگئے* باہو تاں مطلب نوں پایا ہو(۳۷)

دنیاامتحان گاہ اور خاردار جھاڑی ہونے کی بنا پر ناپائیدار اور فانی ہے جس میں دامن بچا کر گزرنے میں ہی عافیت ونجات ہے ۔مولانا روم دنیا کوایک ساعت کہتے ہیں جس نے اسے چھوڑ دیا گویااس نے فلاح پائی ۔جیسے :

یکدو روزی چہ کہ دنیا ساعت ست
ہر کہ ترکش کرد اندر راحت ست
معنی اَلترک راحت گوش کن
بعد آن جامِ بقا را نوش کن*(۳۸)

اللہ نے انسان کو دنیامیں اپنی عبادت کے لیے بھیجا ہے لیکن وہ نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے اللہ سے غافل ہوگیا ہے ۔مولانا رومی دنیا کی ناپائیداری کو کشتی میں پانی بھر جانے کے بعد ہونے والے نقصان کے ذریعے سمجھاتے ہیں جیسے:

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
مال را کز بہر دین باشی حمول
نِعم مالٌ صالحٌ خواندش رسول
آب در کشتی ہلاکِ کشتی است
آب اندر زیرِ کشتی پشتی است(۳۹)

نیک اور پرہیز گار لوگ دنیا سے خوف محسوس کرتے ہیں کیوں کہ انسان دنیا میں تنہا آیا ہے اوراسکے ساتھ اسکا اعمال نامہ جاناہے جس کی بناپراسے جزاوسزا ملے گی۔

مولانارومؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

مردِ دنیا مفلس ست و ترسناک
ہیچ او را نیست از دز دانش باک

او برہنہ آمد و عرُیان رود
وز غمِ دُزدش جگر خون میشود (۴۰)

حضرت سلطان باہوؒ ترک دنیا کو انسان کی سلامتی وفلاح سمجھتے ہیں۔ دنیاداری منافقت ہے جو اللہ کے ذکر اذکار سے دور کرتی ہے جیسے:

ادھی لعنت دنیا تائیں تے ساری دنیا داراں ہو
جیں راہ صاحب دے خرچ نہ کیتی لین غضب دیاں ماراں ہو
پیواں کولوں پتر کوہاوے بھٹھ دنیاں مکاراں ہو
جنہاں ترک دنیا دی کیتی باہو لیسن باغ بہاراں ہو(۴۱)

اسی طرح سلطان باہوؒ دنیاداری کو محض کھیل تماشا کہتے ہیں جو انسان کو اپنے آپ میں مگن کر کے انسان کو اچھائی اور برائی کی تمیز بھلا دیتی ہے اس لیے سلطان باہو اس کی تلاش کو عقل کا ناقص ہونا قرار دیتے ہیں جیسے:

دنیا ڈھونڈن والے کتے در در پھرن حیرانی ہو
ہڈی اتے ہوڑ تنہاں دی لڑیاں عمر وہانی ہو
عقل دے کوتاہ سمجھ نہ جانن پیون لوڑن پانی ہو
باجھوں ذکر ربے دے باہوؒ کوڑی رام کہانی ہو(۴۲)

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو مولانا جلال الدین رومی اور حضرت سلطان باہوؒ کے درمیان میں اگرچہ کئی صدیوں کا فاصلہ موجود ہے لیکن صوفیانہ فکر کی جو پرچھائیں مولانا رومؒ کی مثنوی میں نظر آتی ہے بدرجہ اتم وہی پرچھائیں حضرت سلطان باہو کے پنجابی ابیات میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ کائنات کی تخلیق کا ظہور عشق کا مرہونِ منّت ہے جسے علم وعقل پر فوقیت حاصل ہے۔ اسی عشق سے دل کو جلا ملتی ہے تو انسان اللہ کا قرب مرشد کے وسیلے سے حاصل کرتا ہے اور جب فنافی اللہ کی حد تک پہنچتا ہے تو اس پر قدرت کے راز آشکار ہو جاتے ہیں اسی میں انسان کی بھلائی اور فلاح مضمر ہے۔

حوالہ جات

1۔ فیروز اللغات اردو جامع ،لاہور : فیروز سنز لمیٹڈ ،س ن ندارد ،ص ۳۶۳
2۔ سعید بھٹا ،مرتب ؛سانجھ وچار ، لاہور : اے ایچ پبلشرز ،۱۹۹۷ء ،ص ۳۴۷
3۔ ایضاً ،ص ۳۸۰
4۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ،جلد ۶ ،لاہور : دانش گاہ پنجاب ،طبع اول ،۱۹۶۲ء ،ص ۴۲۴
5۔ بشیر محمود اختر ،مترجم ؛مولانا رومی حیات وافکار ،لاہور : ادارہ ثقافت اسلامیہ ،طبع سوم ۲۰۰۲ء ،ص ۱

6_ https://en.m.wikipedia.org/wiki/shams_tabrizi

7_ مولانا رومی حیات و افکار، ص ۱۵۵

8_ Khalifa Abdul Hakim, Dr, *The metaphysis of Rumi. A Critical and historical sketch*, Lahore: The Institute of Islamic Culture, Third Impression 1959, P3

9_ حمیداللہ شاہ ہاشمی، پنجابی ادب دی مختصر تاریخ، لاہور : تاج بکڈ پو، اشاعت سوم، ۱۹۹۲ء، ص ۱۵۳

10_ مولا بخش کشتہ امرتسری، میاں، پنجابی شاعراں دا تذکرہ، لاہور : عزیز پبلشرز، دوجی وار ۱۹۸۸ء، ص ۸۰

11_ محمد عرفان الحق، ڈاکٹر، ہو دیاں رمزاں، لاہور : ذکریٰ فاؤنڈیشن ٹرسٹ، مڈھلی وار ۲۰۱۶ء، ص ۱۸

12_ قاضی سجاد حسین، مترجم؛ مثنوی مولوی معنوی، دفتر پنجم، لاہور : الفیصل ناشران و تاجران کتب، جولائی ۲۰۰۶ء، ص ۲۷۸

13_ ایضاً دفتر ششم، ص ۱۳۱

14_ ایضاً دفتر چہارم، ص ۱۳۲

15_ ایضاً دفتر سوم، ص ۶۰

16_ عاصمہ قادری، ڈاکٹر، ''عشق دی کہانی، میاں محمد بخشؒ دے نظرئیے موجب''، مشمولا چھماہی کھوج، شمارہ ۶۵، لاہور، شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، جولائی۔دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۸۴

17_ سلطان الطاف علی، ابیات باھو معہ ترجمہ و شرح، لاہور : مکتبہ جدید پریس، باراوّل ۱۹۷۵ء، ص ۴۹۸

18_ مثنوی مولوی معنوی، دفتر اوّل ص ۳۷۹

19_ ابیات باھو معہ ترجمہ و شرح، ص ۴۱۴

20_ مثنوی مولوی معنوی، دفتر چہارم، ص ۱۳۸

21_ خلیفہ عبدالحکیم، حکمت رومی، لاہور : ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۷ء، ص ۲۳۰

22_ مثنوی مولوی معنوی، دفتر چہارم، ص ۱۳۷

23_ ابیات باھو معہ ترجمہ و شرح، ص ۴۱۶

24_ مقبول بیگ بدخشانی، مرزا، ادب نامہ ایران، لاہور : نگارشات، سن ندارد، ص ۴۲۸/ ۴۲۹

25_ مثنوی مولوی معنوی، دفتر اوّل، ص ۲۱۸

26_ ایضاً، ص ۴۳

27_ مولانا رومی حیات و افکار، ص ۱۵۱

28_ ابیات باھو معہ ترجمہ و شرح، ص ۴۴۴

29_ مثنوی مولوی معنوی، دفتر اوّل، ص ۳۴۱/ ۳۴۲

30_ واصف علی واصف، واصفیات، لاہور : کاشف پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۴۲

31_ ابیات باھو معہ ترجمہ و شرح، ص ۲۵۳

32_ سانجھ وچار، ص ۴۶۳

33۔ ظہیر احمد شفیق، ڈاکٹر، ”پنجابی صوفیانہ شاعری وچ مرشد دا تصور“، مشمولا چھماہی کھوج، شمارہ ۶۹، لاہور : شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، جولائی۔دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۱۷

34۔ مثنوی مولوی معنوی، دفتر اوّل، ص ۳۳۱

35۔ ایضاً، ص ۵۴

36۔ ابیات باھو معہ ترجمہ و شرح، ص ۹۹

37۔ ایضاً، ص ۲۴۳

38۔ مثنوی مولوی معنوی، دفتر اوّل، ص ۱۷۸

39۔ ایضاً، ص ۱۳۸/ ۱۳۹

40۔ ایضاً، دفتر سوم، ص ۲۶۷

41۔ ابیات باھو معہ ترجمہ و شرح، ص ۹۰

42۔ ایضاً، ص ۳۲۵

***